R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون — ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

تاریخ اشاعت
۲۲-۱۰-۶۶

جلد ۲۵ - شمارہ ۳۶ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۲۲ ستمبر ۱۹۶۶ء

آل احمد سرور

البرٹ کاموکی ڈائری

حال میں مشہور فرانسیسی مصنف البرٹ کاموکی ڈائری کا انگریزی ترجمہ (CARNETS) کے نام سے شائع ہوا ہے جس میں ۱۹۴۲ء سے لے کر ۱۹۵۱ء تک کے اس کے بکھرے ہوئے خیالات اور اپنے کام کے سلسلے میں اشارات درج ہیں۔ اس ڈائری کے چند اقتباس ہماری زبان کے پڑھنے والوں کے لیے شاید مفید ہوں۔ ان پر تبصرے کی ضرورت نہیں عقلمندوں کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔

ایک فیاضانہ نفسیات کے لیے

ہم کسی شخص کی مدد اس طرح زیادہ کر سکتے ہیں کہ اس کی ایک اچھی تصویر اس کے سامنے پیش کریں بجائے اس کے کہ برابر اس کی خامیاں اس کے سامنے لاتے رہیں۔ ہر شخص عام طور پر کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنے بہترین عکس کے مانند ہو۔ یہ بات تعلیم، تاریخ، فلسفہ اور سیاست تک بھی پھیلائی جا سکتی ہے۔ مثلاً ہم عیسائی صورت گری کی بیس صدیوں کا نتیجہ ہیں۔ دو ہزار سال سے انسان کو ایک ایسی تصویر دکھائی گئی ہے جس میں وہ اپنے سے شرمسار معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال کون کہہ سکتا ہے کہ اگر ان بیس صدیوں میں ہم کلاسیکل آئیڈیل کی توسیع دیکھتے جس میں انسان کی ایک قابل تعریف تصویر ملتی، تو ہم کیا کچھ نہ ہو سکتے تھے؟

کیا واپسی ممکن ہے؟

جدید ذہن بالکل پراگندہ ہے۔ علم اس حد کو پہنچ گیا ہے جہاں نہ دنیا کو اور نہ ہمارے ذہن کو پیر ٹیکنے کے لیے جگہ مل سکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہم (NIHILISM) کا شکار ہو گئے ہیں لیکن سب سے زیادہ تعجب انگیز وہ ردعمل ہیں جو واپس جانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ازمنہ وسطیٰ کو رجعت، ابتدائی دور کے انسان کی ذہنیت کی طرف پلٹنا، دھرتی کی طرف مراجعت، مذہب کی طرف واپسی، پرانے نسخوں کے اسلحہ خانے کو لوٹ جانا ...... یہ ناممکن ہے۔ ہمارا ذہن اس لیے پراگندہ نہیں ہے کہ ہمارے علم نے دنیا کو الٹ کر رکھ دیا ہے، بلکہ اس وجہ سے پراگندہ ہے کہ وہ دنیا کے اس طرح زیر و زبر ہو جانے کے۔۔۔ کا مجموعہ نہیں کر سکا ہے وہ اس تصور کا عادی نہیں ہو سکا ہے۔ جیسے ہی یہ اس تصور کا عادی ہو جائے گا پراگندگی ختم ہو جائے گی۔ پھر وہ ایک تو دنیا کی بے تہذیبی رہ جائے گی دوسرے اس کا واضح شعور جو ہمارے ذہن میں ہوگا۔ دراصل ہمیں ایک پوری تہذیب کی دوبارہ تخلیق کرنی ہے۔

ادب اور جانب داری

میں جانب دار آدمیوں کو بہ نسبت جانب دار ادیبوں کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ زندگی میں ہمت اور تصانیف میں صلاحیت، یقیناً اچھی چیزیں ہیں۔ ادیب مصنف جب چاہتا ہے کسی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کی خوبی اس کے جبلی ردعمل میں ہے اور اگر یہ بات قانون کے ذریعے، پیشے کی مجبوری سے یا خوف سے ہوئی تو اس میں خوبی کیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے متعلق نظم لکھنا ان دنوں سرمایہ داری کی حمایت کرنا ہوگا۔ میں شاعر نہیں ہوں، لیکن اگر یہ نظم خوبصورت ہوئی تو اس سے لطف اٹھانے میں مجھے پس و پیش نہ ہوگا۔ یا تو ہم پورے انسان کی خدمت کرتے ہیں یا اس کی خدمت بالکل نہیں کرتے۔ اور اگر آدمی کو روٹی اور انصاف چاہیے اور اگر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جو کرنا ہے وہ ضرور کرنا چاہیے، تو وہ خالص حسن کی بھی ضرورت رکھتا ہے جو اس کے دل کی غذا ہے۔ اور کسی بات کی اہمیت نہیں۔ ہاں میں چاہوں گا کہ وہ کتابوں میں کم جانبدار ہوں اور اپنی روزمرہ زندگی میں اس سے زیادہ (۹۲)

پابندی

میں آرٹ کا بلند ترین اور پُر جوش ترین تصور رکھتا ہوں۔ اتنا بلند کہ اسے کسی کے ماتحت رکھنے کو ہرگز آمادہ نہیں ہو سکتا۔ اتنا پرجوش کہ اسے کسی چیز سے جدا کرنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ (۱۹۹)

ہم عصر ادب

چونکا نا زیادہ ہے قائل کم کرتا ہے (۱۲۱)

آرٹ

آرٹ میں بھی مبالغے سے کبھی نہیں ڈرنا چاہیے۔ مگر یہ مبالغہ کسی اصول کے مطابق ہونا چاہیے اور اپنی حدود کے اندر۔

خلیل الرحمٰن اعظمی کے تنقیدی مضامین کا نیا مجموعہ "زاویۂ نگاہ" شائع ہوگیا

یہ خبر ادبی حلقوں میں مسرت کے ساتھ سُنی جائے گی کہ اردو کے ممتاز شاعر اور نقاد خلیل الرحمٰن اعظمی کے تنقیدی مضامین کا نیا مجموعہ "زاویۂ نگاہ" شائع ہوگیا ہے۔ اس مجموعے کو آزاد بک ڈپو/آدرش پبلشرز گیا نے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۲۲۴ صفحات کے اس مجموعے کی قیمت چھ روپے ہے اور آدرش پبلشرز بیراگی گیا سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (ایک نامہ نگار)

مسلم یونیورسٹی کا اردو انتخاب وکرم یونیورسٹی میں داخل نصاب

وکرم یونیورسٹی اجین نے مسلم یونیورسٹی شعبۂ اردو کا انتخاب برائے بی۔اے (نثر) کو اپنے یہاں بی۔اے سال سوم (سہ سالہ کورس) میں داخل نصاب کرلیا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق کالجوں میں باقاعدہ طلبہ اور پرائیویٹ طلبہ کو ملا کر اس وقت تقریباً ایک ہزار طلبہ بی۔اے میں اختیاری مضمون کے طور پر اردو پڑھ رہے ہیں۔ بھوپال کے حمیدیہ، سیفیہ، آریندر اور لکشمی بائی گرلز کالج میں اس وقت پانچ سو سے زیادہ طلبہ اور طالبات ڈگری کلاسز میں اردو لیے ہوئے ہیں۔ صرف بی۔اے سال سوم میں تین سو کے قریب طلبہ ہیں۔ (ایک نامہ نگار)

بمبئی میں اُردو

پچھلے ہفتے بمبئی میں جب ٹیچرز ڈے منایا گیا تو مجھے میونسپل اردو اسکولوں کے ٹیچرز کے ایک جلسے میں جانے کا اتفاق ہوا۔

امام باڑہ اردو اسکول کے ہال میں ایک ہزار کے قریب ٹیچرز موجود تھے ان میں کافی تعداد لیڈی ٹیچرز کی بھی تھی۔ استادوں کا اتنا بڑا مجمع کم سے کم میں نے آج تک کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس موقع پر معلوم ہوا کہ مہاراشٹر سرکار کی معقول لسانی پالیسی کی مہربانی سے صرف بمبئی شہر میں ستر ہزار سے زیادہ لڑکے اور لڑکیاں میونسپل اردو اسکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ ان اسکولوں میں پڑھانے والے ٹیچرز کی تعداد ستر سو سے زیادہ ہے۔ (خواجہ احمد عباس "بلٹز")

شورش کاشمیری نظربند

لاہور۔ ۱۲ ستمبر۔ لاہور میں ۹ ستمبر کی شام کو پاکستان کے سرکردہ جرنلسٹ اور سابق احراری لیڈر آغا شورش کاشمیری کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔ آغا شورش متحدہ ہندوستان کے سرکردہ احراری لیڈر تھے اور انھوں نے انگریز کے عہد میں کئی بار قید کاٹی لیکن اب وہ سیاست سے دست کش ہوچکے ہیں اور اپنی تمام سرگرمیاں ہفتہ وار اخبار "چٹان" پر مرکوز کیے ہوئے ہیں۔ ان کا اخبار پاکستان کے ان معاصر پرچوں میں ہے جو اب مسلم لیگ اور حکومت کی چیرہ دستیوں پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ آغا شورش پاکستان کے قیام کے بعد بھی کافی عرصہ نظربند رکھے گئے ہیں اب انھیں منٹگمری جیل میں نظربند کردیا گیا ہے۔

(سیاست جدید، کانپور)

ڈاکٹر زور کی چوتھی برسی سہ روزہ تقاریب کا پروگرام

حیدرآباد۔ ۱۳ ستمبر۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مرحوم کی چوتھی برسی کے موقع پر ۲۳، ۲۴ اور ۲۵ ستمبر کو ایوان اردو میں ادارہ ادبیات اردو کی جانب سے یوم زور کی سہ روزہ تقاریب منائی جارہی ہیں۔ ان تقاریب کے انتظامات کے لیے جناب سراج الدین علی خاں کو معتمد یوم زور، جناب عبدالوحید خاں ناظم آغا سقدیہ کو معتمد نمائش، ڈاکٹر عمر علی خاں کو معتمد تحریری مقابلہ، جناب میر حسن کو معتمد ادبی اجلاس اور عاشق ارشاد کو معتمد مشاعرہ مقرر کیا گیا ہے۔

(ملاپ، حیدرآباد)

"ہماری زبان" اور "اردو ادب" کی قیمت میں اضافہ

سامان طباعت و دیگر اخراجات میں اضافے کی وجہ سے پہلی اکتوبر ۶۶ء سے انجمن کے ہفتہ وار اخبار "ہماری زبان" کی سالانہ قیمت تین روپے کی بجائے چار روپے ہوگی۔ آئندہ جتنے خریدار بنیں گے اُن سے یہی قیمت لی جائیگی ایک پرچے کی قیمت دس پیسے کی بجائے بارہ پیسے ہوگی۔

اور "اردو ادب" کے جو خریدار یکم اکتوبر ۶۶ء کے بعد بنیں گے اُن سے بجائے دس روپے سالانہ کے بارہ روپے سالانہ قیمت لی جائیگی ایک شمارے کی قیمت ڈھائی روپے کی بجائے تین روپے ہوگی۔

منیجر

(انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گیا کا ترجمان)

پندرہ روزہ **انجمن** گیا

(صرف ممبروں کے لیے)

ریاست بہار کی تمام شاخوں سے اپیل ہے کہ اپنی شاخوں کی کارروائیوں کی رپورٹ ارسال کریں۔ اور "انجمن" کے ساتھ تعاون کرکے اپنی آواز وسیع حلقہ میں پہنچائیں۔

کلام حیدری
صدر انجمن ترقی اردو، شاخ گیا
جگ جیون روڈ، گیا

سید مسعود حسن رضوی ادیب

امیر مینائی کی دو کمیاب کتابیں

ارشاد السلطان اور ہدایۃ السلطان دو کتابوں کے نام فرض کر کے ان کو کسی نے واجد علی شاہ کی تصنیف قرار دیا ہے کسی نے امیر مینائی کی۔ امیر کی دو کتابوں کے نام شرح ارشاد السلطان اور شرح ہدایۃ السلطان تو ملتے تھے مگر کتابیں نایاب تھیں، اس صورت میں مختلف لکھنے والوں نے جو قیاس آرائیاں کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

"آپ (امیر) ۱۲۶۹ھ میں شاہ اودھ سلطان معظم محمد واجد علی شاہ بہادر کے دربار میں باریاب ہوئے اور دو کتابیں ہدایۃ السلطان اور ارشاد السلطان بادشاہ اودھ کے ارشاد کے موافق تصنیف فرمائیں، جن کے صلے میں دو مرتبہ خلعت گراں بہا اور انعام حسب دلخواہ سے مالا مال ہوئے۔[۱]"

"۱۲۶۹ھ میں خوش قسمتی سے دربار شاہی تک رسائی ہو گئی، ارشاد السلطان و ہدایۃ السلطان دو کتابیں لکھ کر پیش کیں اور خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوئے۔[۲]"

"ارشاد السلطان اور ہدایۃ السلطان یہ کتابیں دونوں جناب مرحوم (امیر) نے قبل از غدر تصنیف فرما کر واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے حضور میں پیش کی تھیں، جن کے صلے میں سرکار شاہی سے خلعت و انعام مرحمت ہوا۔[۳]"

"۱۲۷۴ھ میں حسب الحکم شاہ اودھ دو کتابیں امیر نے تصنیف کیں، جن کا نام ہدایۃ السلطان اور ارشاد السلطان تھا۔[۴]"

"دو کتابیں ارشاد السلطان اور ہدایۃ السلطان تصنیف کر کے حضور اقدس میں گزرانیں اور خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوئے ان کتابوں میں کیا مضمون تھا، آج اس کا بتلانے والا کوئی نہیں۔[۵]"

یہ بیانات ان لوگوں کے ہیں، جنھوں نے نہ ارشاد السلطان کو دیکھا تھا نہ ہدایۃ السلطان کو اور جن کو ان کے بارے میں کوئی صحیح معلومات نہ تھیں۔ سب سے پہلا تقریباً بالکل صحیح بیان امیر مینائی کے شاگرد شاہ محمد ممتاز علی آہ اسیتھوی کا ہے، جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"(امیر مینائی کو) بادشاہ سلامت پر اظہار لیاقت کا ایک اور موقع ملا۔ بادشاہ کے دو مختصر متن، جو کسی خاص فن میں نہ تھے اور صحت وغیرہ میں بھی پایۂ اعتبار سے گرے ہوئے تھے، حضرت نے اپنی علمی قابلیت اور زور طبیعت سے ان میں معنی پہنچائے اور کھینچ تان کر فنون کے قالب میں لائے۔ غلط کو صحیح بنایا اور صرف یہی نہیں بلکہ ان میں صنائع بدائع پیدا کیے اور ایک کا نام ہدایۃ السلطان دوسری کتاب کا نام ارشاد السلطان رکھی، ان کتابوں کے صلے میں بھی بیش بہا خلعت پائے۔[۶]"

اس بیان میں صرف ایک بات ایسی ہے جس کی تصحیح ضروری ہے۔ امیر مینائی نے اپنی کتابوں کے نام ہدایۃ السلطان اور ارشاد السلطان نہیں بلکہ شرح ہدایۃ السلطان اور شرح ارشاد السلطان رکھے تھے۔ ہدایۃ السلطان اور ارشاد السلطان تو واجد علی شاہ کے ان دو متنوں کے نام ہیں، جن کی شرح امیر نے ان کتابوں میں لکھی ہے۔

امیر کی یہ دونوں کتابیں معدوم سمجھی جاتی رہی ہیں لیکن شرح ہدایۃ السلطان کا ایک مطبوعہ نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر ان کتابوں کی تلاش میں بہت کوشش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"شرح ارشاد السلطان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا لیکن شرح ہدایۃ السلطان دستیاب ہو گئی۔ اس کا ایک نسخہ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔[۷]"

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس نسخے کی مفصل کیفیت اور اس کے مندرجات کی کچھ تفصیل اپنی کتاب مطالعۂ امیر میں لکھ دی ہے۔[۸] مزید تفصیلات راقم کے اس مضمون میں درج کی جا رہی ہیں۔

ڈاکٹر ابو محمد سحر کے بیان میں دو ایسی باتیں آگئی ہیں جن کی ترمیم ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"آخری صفحہ پر خاتمۃ الطبع کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا اصلی نام شرح ہدایۃ السلطان اور تاریخی نام رموز تدقیقات ہے، جس سے ۱۲۶۸ھ نکلتے ہیں۔"

---

[۱] یادگار امیر مینائی از بیکس تھانوی، مطبع مفید دکن، حیدرآباد، ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء)
[۲] تذکرہ گل رعنا از حکیم عبدالحی ص ۲۹۹
[۳] مکاتیب امیر مینائی مرتبہ احسن اللہ خاں ثاقب، دیباچہ ص ۲۸
[۴] سوانح امیر مینائی از جلیل مانک پوری ص ۲۲
[۵] خزانۂ امیر از امیر احمد علوی ص ۱۱

[۶] امیر مینائی مصنفہ شاہ محمد ممتاز علی آہ اسیتھوی ص ۸
[۷] مطالعۂ امیر از ڈاکٹر ابو محمد سحر ص ۲۹۰-۲۹۱
[۸] مطالعۂ امیر ص ۲۹۳-۲۹۴

لیکن آخری صفحے سے بہت پہلے صفحہ ۸ پر بھی کتاب کا اصلی نام اس فقرے میں ملتا ہے" این ابکار افکار کہ مسمّی ایست بہ شرح ہدایۃ السلطان:

دوسری قابلِ ترمیم بات یہ ہے:۔

"واجد علی شاہ کے عربی جملے اگر ایک ساتھ لکھے جائیں تو تین چار صفحات سے زیادہ نہ نکلیں گے۔"

یہ اندازہ صحیح نہیں ہے۔ واجد علی شاہ کے چھوٹے چھوٹے جملے جن کو امیر نے "ہدایت اقدس" کے نام سے نقل کیا ہے، ان کی کل تعداد پندرہ ہے۔ جن کو اگر کسی قدر جلی خط میں بھی لکھا جائے تو چار پانچ یا دس بارہ سطروں میں آجائیں گے۔ اور تین چار صفحوں کا کیا ذکر ایک صفحہ بھی پر نہ کر سکیں گے۔

اس مختصر سی عبارت کو فاضل شارح "نکات عجیبہ" اور "تدقیقات و نفائح غریبہ" کا دفتر قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی کے مطالعے کے فیض سے میں یہ شرح لکھنے کے قابل ہوا ہوں۔ شارح نے اس مختصر سی عبارت کو کہیں صحیفہ فرمایا ہے، کہیں عبارتے، کہیں کتاب سلطانی، کہیں کتاب مستطاب سلطانی، کہیں کتاب ہدایت مآب سلطانی کہا ہے۔ کتاب کے لفظ سے بہتوں کو دھوکا ہو سکتا ہے۔ فارسی اور اردو میں یہ لفظ جن معنوں میں مستعمل ہے وہ یہاں مراد نہیں ہیں۔ عربی میں مختصر سے مختصر تحریر کو بھی کتاب کہہ سکتے ہیں اور یہاں اسی لفظ سے یہی مراد ہے۔ ایک جگہ اس تحریر کو "فقرات چند بعبارت عربی" اور ایک جگہ یہی بات ذرا وضاحت سے یوں کہی ہے "این عبارتے است از نتائج فکر سلطان عالم و زادۂ طبع آسمان پیمائے شہنشاہ اعظم بہ لغات عربیہ و تلمیحات ادبیہ" اس عبارت کی تعریف میں امیر نے "مردے از غیب" کی زبان سے مبالغے کی انتہا کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"این عبارت گنجینہ ایست از اسرار الٰہی کہ بوساطت ارواح انبیاء و ائمۂ ہدیٰ علیہم الصلوٰۃ والثناء از مبدء فیاض سینہ بہ سینہ باین ظل اللہ رسیدہ۔ و کیسہ ایست پر از لالی آبدار و درہائے حقیقت کہ از خزانۂ غیب بہ کاشانۂ دل این دانائے رموز و اسرار ودیعت گردیدہ۔"

شارح حیران تھا کہ اس منزلت کی تحریر کی شرح کیوں کر کروں کہ ایک بزرگ خجستہ صفات، عمامۂ فضیلت برسر، لباس عرفان در بر، عصائے موسوی در دست، از بادۂ ذوق سرمست، سامنے سے نمودار ہوئے اور ان کی مشکل کو یوں حل کیا کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا جو "نقوش رنگا رنگ" سے "غیرت نگارخانۂ چین" تھا ان کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ شاہی تحریر جس کو حل کرنے کی فکر میں تو حیران ہے صحیفۂ آسمانی کی طرح گوناگوں اثرات رکھتی ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر تو اس کو صبح و شام پڑھا کرے تو بارگاہ سلطانی میں تیری رسائی ہو جائے۔ شارح جو اس آرزو میں نیم بسمل تھے اس تحریر سلطانی کو کتاب یزدانی کی طرح فرائض کے بعد وظیفے کے طور پر ہر صبح و شام پڑھنے لگے اس امید پر کہ "بندگان شاہی من تشنہ لب وادی ناکامی را بسر چشمۂ قرب بزم ارم تزئین سلطانی آرند" معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرح لکھنے کے بعد شارح کی رسائی دربار شاہی میں ہو گئی۔ اتنا تو ضرور ہوا کہ خود بادشاہ کے حکم سے یہ کتاب مطبع سلطانی میں چھاپی گئی۔ اس کا گراں قدر صلہ بھی بارگاہ سلطانی سے ضرور عطا ہوا ہو گا۔

کتاب کے سبب تالیف میں فاضل شارح نے اپنا نام انتہائی انکسار کے ساتھ یوں لکھا ہے:۔

"آرزومند یا بوسی غلامان سلطان عرش سریر، امیر احمد متخلص بہ امیر"

اور اصل تحریر کے مصنف بادشاہ اودھ کا نام یوں لکھا ہے:۔

"مفتاح گنجینۂ شہریاری، مصباح کاشانۂ نامداری، مطلوب زمان و زمانیان، محبوب جہان و جہانیان، مصدر برکات، مظہر حسنات، مسجود متقیان، معارج طلاقت و ذلاقت، محسود متکلمان و مباہی براعت و فصاحت، لبیبے کہ کمال فصاحت وابستۂ منثورات مسجع اوست، ادیبے کہ جمال بلاغت وابستۂ منظومات مرصع او۔

ادیب فاضل رخشندہ اختر — ادیب کامل رخشندہ گوہر
کیاست جوہر آئینۂ او — فراست گوہر گنجینۂ او
سریر آرائے اقلیم طلاقت — شرف افزائے دیہیم ذلاقت
فصاحت گوہرے باشد ز درجش — براعت اخترے باشد ز برجش
بہار بوستان نکتہ دانی — ہزار شاد خوان خوش بیانی

حضرت قدر قدرت، کیوان رفعت، برجیس حشمت، انجم خدم، ظل سبحانی، خلیفۃ الرحمانی، قبلۂ عالم و عالمیان، سلطان عالم محمد واجد علی شاہ بادشاہ غازی۔"

ایسی لفاظی، اتنی فردتنی، اس حد کے مبالغے سے اب جمہوری عہد کے لوگوں کی طبیعت گریز کرتی ہے لیکن شاہی درباروں میں یہی اسلوب نگارش رائج اور مقبول تھا۔

امیر مینائی کی زیر بحث کتابوں کے بارے میں بابائے اردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:۔

"منشی صاحب سلطان عالم واجد علی شاہ کے دربار میں باریاب ہوئے۔ اس باریابی کی وجہ غالباً ان کی دو کتابیں ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان ہوئیں۔ یہ کتابیں آج کل کہیں نہیں ملتیں اور نہ یہ پتا چلتا ہے کہ ان میں کیا لکھا گیا ہے۔ غالباً یہ بادشاہ کی کتابوں کی شرحیں ہیں۔"

واجد علی شاہ کی یہ عجیب عادت تھی کہ وہ اپنے کتب خانے میں گئے اور ادھر ادھر سے چند کتابیں اٹھالیں اور

(باقی صفحہ ۷ کالم ۲)

کھلا بھید

کنول کرشن بالی

دل بھر آیا، آنسو اُمڈے
جاں تھرّائی، سر چکرایا
پل بھر کو تو جیسے ـــ
جیتی جاگتی سب دنیا اندھیر ہوئی
بادل گرجا، بجلی کڑکی
دھرتی کانپی، آکاش ہلا
پل بھر کو تو جیسے ـــ
صدیوں کی تہذیب کی اونچی بڑی عمارت
اک جھٹکے میں، ٹوٹ پھوٹ، گر، ڈھیر ہوئی۔
آج اک نٹ کھٹ سے بچّے نے
گھر گھر کی چرچا ـــ سنی سنائی بات پکڑ کر
اپنی ماں سے پوچھ لیا یوں
"بولو اماں ـــ
دودھ امرت ہے!
کیوں دیتے ہیں زہر بنا
لوگ، امرت میں ملا ملا پانی؟"
سن بھولے کی بات یہ بھولی، ان جانی
کیا کہتی وہ دیوی، بے بس، گھر کی رانی
کچھ کہہ نہ سکی
کچھ سہہ نہ سکی
دل بھر آیا، آنسو امڈے
جانے کس عالم میں کھوئی!
جھٹ بیٹے کو بیٹا چھاتی سے
پھوٹ پھوٹ کر روئی
اس رونے کا بھید بتائے کوئی؟

واپسی

ایچ تصوّر

میں بھی!
ڈوب کے چپ ہو رہتا،
رسموں کے گہرے،
جسموں کے ٹھنڈے،
اور لذت کے کالے دریاؤں میں۔
کاش!!
کہ تیرے دل کی طرح ہی،
میرا دل بھی پتھر ہوتا!!!

صفحہ ۴ سے آگے

کتاب کہیں سے بھی کھول کر چند ورق نقل کر لیے۔ وہ اس بات کا مطلق خیال نہیں کرتے تھے کہ یہ کتابیں کس مضمون کی ہیں، یا ان میں سے مختلف مضامین اور علوم کی کتابوں کے اقتباس بے ٹھکانے جمع کر دیے ہیں۔ غرض بادشاہ کی کتابیں اسی طرح تصنیف ہوئی تھیں۔ اور وہ خود نیز ان کے درباری ان کتابوں کو اعلیٰ تصانیف میں خیال کرتے تھے۔ ایسی اہمل اور بے جوڑ کتابوں کی شرح لکھنا منشی صاحب مرحوم ہی کا کام تھا۔"[1]

اس عبارت میں کئی باتیں محل نظر ہیں۔ ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان امیر مینائی کی دو کتابیں قرار دی گئی ہیں، حالانکہ یہ واجد علی شاہ کی دو مختصر تحریریں تھیں۔

مولوی صاحب کو اقرار ہے کہ "یہ کتابیں آج کل کہیں نہیں ملتیں"۔ سوال یہ ہے کہ پھر ان کتابوں کے وجود کا علم کیونکر ہوا، مولوی صاحب کو یہ پتا چل سکا کہ "ان کتابوں میں کیا لکھا گیا ہے۔" پھر یہ قیاس کس بنا پر قائم کر لیا کہ یہ غالباً بادشاہ کی کتابوں کی شرحیں ہیں۔ غالباً کا لفظ بتاتا ہے کہ مولوی صاحب کو اس بات کا یقین نہ تھا۔ مگر ان کا آخری جملہ "ایسی اہمل اور بے جوڑ کتابوں کی شرح لکھنا منشی صاحب مرحوم ہی کا کام تھا" صاف ظاہر کرتا ہے کہ چند سطریں لکھنے کے بعد مولوی صاحب کا گمان یقین میں تبدیل ہو گیا۔ نہ معلوم اس تبدیلی کا کیا سبب ہوا۔

انگریزوں نے واجد علی شاہ کو عیاشی اور عیش پرستی کے لیے بدنام کیا تو ان کا مقصد تھا الحاق اودھ کو حق بجانب قرار دینا۔ مولوی صاحب نے ان کی ایک عجیب عادت کا ذکر کر کے ان کو عقل و شعور سے بیگانہ ثابت کرنا چاہا تو معلوم نہیں کہ ان کا مقصد کیا تھا۔

واجد علی شاہ کا طریقۂ تصنیف اور ان کی کتابوں کی نوعیت جو مولوی صاحب نے بیان کی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی ایک کتاب بھی مولوی صاحب نے نہیں دیکھی تھی۔ واجد علی شاہ کی ستر اسّی کتابیں میری نظر سے گذر چکی ہیں جن میں سے پچاس ساٹھ میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ ان میں ایک کتاب بھی ایسی نہیں ہے جس پر مولوی صاحب کا بیان صادق آتا ہو۔

---

[1] چند ہم عصر ص۲

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

ابو سلمان شاہجہان پوری

مولانا آزاد کی یاد میں

اخبارات و رسائل کے چند خاص نمبر

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس نمبر میں ۰، مضامین نظم و نثر ہیں بیشتر حصہ ادارہ کا ترتیب دیا ہوا ہے اس نمبر میں اگرچہ چند مضامین نہایت عمدہ اور معیاری و معلوماتی ہیں لیکن بیشتر مضامین معمولی اور سطحی ہیں اور غلط معلومات اور غلط اندازوں پر مبنی ہیں۔

لیکن نہایت افسوسناک پہلو اس نمبر کا یہ ہے کہ اس میں ایک اخبار نویس کے نام " مولانا کے بارہ خط ادارہ کی جانب سے شایع کیے گئے ہیں اور یہ سب جعلی ہیں۔ اگرچہ اخبار نویس کا نام ظاہر نہیں کیا گیا ہے لیکن معلوم ہے کہ یہ سعی ناکام ڈاکٹر مسعود عبد الباقی صاحب کی ہے اس سے مولانا ابو الکلام کے عقیدت مندوں کی گردنیں شرم سے جھک گئی ہیں (چونکہ اس سلسلے میں ایک مستقل مضمون لکھ چکا ہوں اور عنقریب دہلی وغیرہ کے کسی رسالہ میں شایع کرانے کا ارادہ ہے اس لیے یہاں کوئی بحث نہیں چھیڑوں گا) ریسرچ اسکالرس کے لیے یہ بھی ایک تنبیہ ہے۔

مولانا کے مضامین کے چند اقتباسات بھی زینت رسالہ ہیں۔ رسالہ کے مضمون نگار اور شعراء میں سے چند کی تصاویر بھی شامل ہیں۔ متعدد تصاویر مولانا مرحوم کی ہیں۔ سرورق پر مولانا کی تصویر ہے لیکن پس منظر میں جو تصور کارفرما ہے اس سے گھن آتی ہے۔ کوئی مسلمان اس تصور کی جرأت مشکل ہی سے کر سکتا ہے۔

رسالہ کے دوسری طرف ۳۲ صفحات انگریزی مضامین کے ہیں اس حصہ کے لکھنے والوں میں ایڈیٹر کے علاوہ اے۔ ایم۔ طارق، منور رما دیوان، بی۔ پی۔ ایل بیدی، شہزادہ سودی، جسٹس راج رتن، دیوان دیوندرا ناتھ اور دیگر حضرات شامل ہیں۔

تبصرہ - لاہور، ماہنامہ (اشاعت خاص بیاد گار مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ)

جلد (۱) شمارہ (۵)، مارچ ۱۹۶۰ء صفحات (۲۸) سائز $\frac{20 \times 30}{4}$

قیمت :- ۱۲ ر

ایڈیٹر :- جانباز مرزا

لکھنے والوں میں :- جواہر لال نہرو، راجندر پرشاد، خواجہ حسن نظامی، گووند بلبھ پنت، ہمایوں کبیر، نیاز فتح پوری، ذاکر حسین، دیوان سنگھ مفتون، شورش کاشمیری، غلام رسول مہر، اردنا آصف علی، منظور احمد بھٹی، انور صابری، تلوک چند محروم اور جانباز مرزا کے مضامین نظم و نثر شامل ہیں۔ ان میں سے ہر مضمون مولانا مرحوم کے علم و فضل، ان کی عظمت اور خدمات کی دستاویز ہے۔

سرورق پر پورے صفحہ کی ایک سہ رنگی دیدہ زیب تصویر ہے۔

ثقافت الہند - دہلی، سہ ماہی (عربی)

جلد (۹) شمارہ (۱، ۲)، مارچ و جون ۱۹۵۸ء

صفحات :- (۲۲۴) سائز $\frac{20 \times 29}{8}$ قیمت چار روپے

شایع کردہ :- انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز۔ نئی دہلی

لکھنے والے :- ہمایوں کبیر، مترجم محمود علی خاں، محی الدین الوائی، عبد العلیم عامر انصاری، ابی نصر احمد حسینی اور ناصر انصاری

مولانا آزاد مرحوم کی ایک تقریر کا صدر الدین نے ترجمہ کیا ہے اور مولانا کے مشہور اور تاریخی بیان "قول فیصل" کا ترجمہ ہے۔ ترجمہ میں بعض حصوں کو نظر انداز کر دیا ہے جیسے اردو مختصر نویسی کی تاریخ اور سرکاری رپورٹروں وغیرہ کے بارے میں مولانا کا بیان۔ غالباً یہ ترجمہ مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی کا ہے۔

مولانا کی متعدد تصاویر شامل ہیں۔ اگرچہ اس پر "آزاد نمبر" کے رسمی الفاظ درج نہیں لیکن تمام مضامین مولانا آزاد پر ہیں اس لیے اس نمبر کو خصوصی شماروں میں شامل کر لیا۔

جامعہ - دہلی، ماہنامہ (مولانا ابو الکلام آزاد نمبر)

جلد (۴۸) شمارہ (۳) مارچ ۱۹۶۳ء

صفحات :- (۸۰) سائز $\frac{18 \times 23}{8}$ قیمت ایک روپیہ

ایڈیٹر :- عبد اللطیف اعظمی

لکھنے والے :- آل احمد سرور، مولانا غلام رسول مہر، عبد اللہ ولی بخش، ریاض الرحمٰن شروانی، عبد اللطیف اعظمی اور ابو سلمان شاہجہان پوری۔

یہ نمبر مولانا مرحوم کی خدمات کے اعتراف اور ان کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے پیش کیا گیا، تمام مضامین اسی خاص نمبر کے لیے لکھے گئے۔ مولانا مرحوم سے متعلق اخبارات و رسائل کے خاص نمبروں میں جامعہ کا یہ نمبر ایک بلند مقام اور خصوصی اہمیت کا حامل ہے یہی وجہ ہے کہ علمی حلقوں میں اسے بہت پسند کیا گیا اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

سرورق مولانا مرحوم کے آخری دور کی ایک خوبصورت تصویر سے مزین ہے۔

جمہور - علی گڑھ، دو روزہ (آزاد نمبر)

جلد (۱۰) نمبر (۶) ۲۶ر فروری ۱۹۵۹ء

صفحات (۱۲) سائز $\frac{20 \times 30}{4}$ قیمت دو آنے

ایڈیٹر :- محمد عمر خاں عمر

لکھنے والے :- راجندر پرشاد، انور صابری، ریاض الرحمٰن شروانی، محمد عبد الشاہد خاں شروانی، محمد مقتدیٰ خاں شروانی اور ایڈیٹر کے بلند پایہ

مضامین نظم و نثر شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا مرحوم کی پہلی برسی پر اکابر علماء، مفکرین اور سیاسی لیڈروں کے پیغامات اور خراج عقیدت ہے

جمہور۔ علی گڑھ، دہ روزہ (ابوالکلام نمبر)

جلد (۱) نمبر (۵، ۶) ۱۶، ۲۶ر فروری ۱۹۶۰ء
صفحات (۱۲)، سائز ۲۰×۳۰/۴ قیمت ۴ر
ایڈیٹر: محمد عبدالرحیم خاں غازی
لکھنے والے: محمد عبدالشاہد خاں شروانی، ریاض الرحمٰن خاں شروانی کے مقالات اور مقبول احمد کی ایک نظم پر شامل ہے۔

مولانا آزاد کی ایک رباعی، ایک خطبہ سے اقتباس اور ۱۹۴۷ء میں جامع مسجد دہلی کی مشہور تقریر سے یہ پرچہ مزین ہے۔

جمہور۔ علی گڑھ، دہ روزہ (آزاد نمبر)

جلد ۱۲ نمبر ۶ ۲۶ر فروری ۱۹۶۱ء
صفحات ۱۲ سائز ۲۰×۳۰/۴ قیمت ۲ر
ایڈیٹر: محمد عبدالرحیم خاں غازی

یہ خصوصی نمبر ریاض الرحمٰن خاں شروانی کے ایک طویل اداریہ اور محمد عبدالشاہد خاں شروانی کے مضمون "ترجمان القرآن" پر مشتمل ہے دونوں مضمون نہایت عالمانہ انداز میں لکھے گئے ہیں، حقائق سے پر اور مفید معلومات پر مشتمل ہیں، نہایت اہم اور قابل مطالعہ ہیں۔

مولانا مرحوم کا ایک مضمون رمضان المبارک سے متعلق الہلال سے اور ایک غزل مخزن لاہور سے منقول ہے۔

جمہور۔ علی گڑھ، دہ روزہ (آزاد نمبر)

جلد ۱۳ نمبر ۴ تا ۶، ۲۲-۲۶ر فروری ۱۹۶۲ء
صفحات ۱۲ سائز ۲۰×۳۰/۴ قیمت ۱۲ نئے پیسے
ایڈیٹر عبدالرحیم خاں غازی

اس خصوصی نمبر کے اداریہ کے علاوہ صرف ایک طویل مضمون محمد عبدالشاہد خاں شروانی کا مولانا آزاد کی صحافت پر ہے۔ مضمون عالمانہ و محققانہ اور لائق مطالعہ ہے۔

جمہور جب تک جاری رہا یہ رسم وفا و عقیدت جاری رہی اور خصوصی نمبروں کے علاوہ عام نمبروں میں بھی مولانا مرحوم پر بیش قیمت مضامین شائع ہوتے رہے خصوصاً ابتدائی نمبروں میں یعنی ۱۲-۲۶ر فروری ۱۹۵۸ء اور ۶ر مارچ ۱۹۵۸ء وغیرہ میں مولانا مرحوم کی زندگی، ان کے علم و فضل اور ان کی خدمات پر قابل مطالعہ مواد پیش کیا گیا ہے۔

چٹان۔ لاہور، ہفت روزہ

جلد (۱۱) شمارہ (۹) ۳ر مارچ ۱۹۵۸ء
صفحات (۲۴) سائز ۲۰×۳۰/۴ قیمت ۴ر
ایڈیٹر: شورش کاشمیری نائب ایڈیٹر: محمد وارث کامل

اس نمبر پر اگرچہ مولانا مرحوم سے نسبت کے رسمی الفاظ درج نہیں لیکن نمبر کے تمام مضامین نظم و نثر مولانا سے متعلق ہیں اس لیے آزاد نمبروں میں اس کا بھی شمار کیا گیا۔

وقار انبالوی، دیوان سنگھ مفتون، مدیر صاحب شورش کاشمیری اور محمد وارث کامل کے مضامین نظم و نثر شامل ہیں، مفتون اور شورش کے مضامین معلوماتی اور قابل مطالعہ ہیں۔

ابتدائی اور آخری چار صفحات میں مولانا مرحوم کی تصویر اور ان کے جنازہ اور جلوس میت کی چھوٹی بڑی متعدد تصاویر شامل ہیں۔

چٹان۔ لاہور، ہفت روزہ

جلد (۱۱) شمارہ (۱۰) ۱۰ر مارچ ۱۹۵۸ء
ایڈیٹر شورش کاشمیری نائب ایڈیٹر: محمد وارث کامل

اس نمبر میں بھی مدیران گرامی کے مضامین نظم و نثر کے علاوہ ابوشاہجہانپوری کا ایک مضمون، محمد رمضان تبسم کا قطعہ تاریخ، اسلم انصاری کی ایک نظم اور اکابر ہند و پاکستان کے بیانات تعزیت کا خلاصہ درج ہے۔

چٹان۔ لاہور، ہفت روزہ (ابوالکلام نمبر)

جلد ۱۸ شمارہ ۷، ۱۵ر فروری ۱۹۶۵ء
صفحات ۴۰ سائز ۲۰×۳۰/۴ قیمت ۱۲ پیسے
ایڈیٹر: شورش کاشمیری
لکھنے والے: ایڈیٹر، محمد خضر حیات، رشید احمد صدیقی، عبدالماجد دریابادی، شریف چکوالی، شیر بہادر خاں، رشید جالندھری، ابوسلمان شاہجہانپوری، طاہر عبدالحکیم (مترجم: محمد وارث کامل مرحوم) کے مضامین اور ایڈیٹر، وقار انبالوی اور جگن ناتھ آزاد نے اشعار میں اپنے تاثرات رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور خراج عقیدت پیش کیا ہے

مولانا ابوالکلام آزاد کی جامع صفات، جامع جہات اور جامع حیثیات شخصیت کی تلاش میں اس نمبر کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا چونکہ مولانا مرحوم کی وفات کے کوئی سات سال بعد نکلا ہے اس لیے نمبر پر جذبات عقیدت کی چھاپ اور محض تاثرات کا اظہار نہیں ہے بلکہ مولانا کے علم و فضل، اخلاق و کردار اور خدمات جلیلہ پر ٹھوس مواد پیش کیا گیا ہے۔ مولانا کے عقیدت مندوں کے لیے خاص تحفہ اور علمی و تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے بیش قیمت سرمایہ ہے۔

پورے سرورق پر مولانا کی ایک بڑی خوبصورت اور رنگین تصویر ہے اندرونی صفحات میں بھی متعدد چھوٹی چھوٹی تصاویر ہیں۔

(باقی آئندہ)

مراسلات

لفظ لغت کی تذکیر و تانیث

۲۲ راگست ۹۶ء کے "ہماری زبان" میں جناب صفدر آہ صاحب نے صفحہ ۸ پر لفظ لغت کی تذکیر و تانیث کے بارے میں جناب ریاض الحسن کے ایک مراسلہ شائع شدہ ۱۵ رجون ۹۶ء پر اعتراض کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:

"جناب ریاض الحسن صاحب نے لفظ لغت کو مونث استعمال فرمایا ہے۔ حالانکہ لفظ لغت" کو جمہور اردو" نے متفقہ طور پر مذکر مانا ہے کیا اسے موصوف کا صرف اتفاقی سہو تحریر سمجھا جائے؟"

جناب صفدر آہ صاحب کا ارشاد کہ "جمہور اردو" نے متفقہ طور پر مذکر مانا ہے۔ محل نظر ہے۔ ہماری نظر سے اس سلسلہ میں جو مستند تحریریں گذری ہیں۔ وہ جمہور اردو ہی کے قلم کی رہین منت ہیں۔ ان میں "لفظ لغت" مونث اور مذکر دونوں طرح استعمال کیا گیا ہے۔ اس لفظ کے مونث استعمال کی مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ جن سے جمہور اردو کے متفقہ مذکر ماننے کے دعویٰ کی تردید خود بخود ہو جاتی ہے، اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ لفظ لغت کا مونث استعمال کرنا جائز ہے۔

آخر میں اہل علم اور زبان داں حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنے فیصلے سے آگاہ فرمادیں تاکہ "لفظ لغت" کی تذکیر و تانیث کی تحقیق سب کے سامنے آ سکے۔

(۱) خود صاحب فرہنگ آصفیہ مولوی سید احمد صاحب نے اس لفظ کو مونث استعمال کیا ہے۔ وہ فرہنگ کے سبب تالیف کے ذیل میں رقمطراز ہیں"

"یعنی ارمغان دہلی ایک بہت بڑی مبسوط لغات معاورات اور اصطلاحات لکھی"
سبب تالیف صفحہ ۲۱

(۲) انھوں نے اپنے مضمون کو مندرجہ ذیل قطعہ پر ختم کیا ہے۔ اس میں بھی لفظ لغت "مونث استعمال ہوا"

اے اہل خبر کچھ تو ادھر بھی کرم ہیں ... کب سے دعائے خیر کے امیدوار ہم
جو کچھ بنا کسی سے وہ ہی چھوڑ دیا ... اپنی لغات چھوڑ چلے یادگار ہم

صفحہ ۲۹

(۳) حامد حسن قادری صاحب نے اپنی کتاب "داستان تاریخ اردو" صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے۔

"مولوی سید احمد کی اس فضیلت میں شک نہیں کہ انھوں نے اردو کی سب سے بڑی اور مکمل لغت سب سے پہلے مرتب کی۔"

(۴) جامعہ ملیہ جو ہندوستان کا ایک مستند تعلیمی ادارہ ہے اور جس نے بڑی خصوصیت کے ساتھ مستند ادیبوں اور انشا پردازوں سے اردو کا نصاب مرتب کرایا ہے اس کی شایع کردہ اردو کی پانچویں کتاب میں ہے کہ:

"مدرسے کے کتب خانے میں جا کر ہندوستانی زبان کی ایک لغت نکلواؤ اور اس میں ان لفظوں کے معنی معلوم کرو اور اپنی کاپی میں لکھو"
صفحہ ۱۱

(۵) انجمن ترقی اردو نے اپنی مطبوعات کی ایک فہرست شائع کی ہے اس کے صفحہ ۴ پر درج ہے

"انجمن نے ۷ سال کی مسلسل محنت اور ماہرین لسانیات کی مدد سے یہ لغت تیار کی ہے۔ اس لغت میں دس ہزار سے زاید الفاظ اور بیس ہزار کے قریب ہندی مترادفات ہیں۔"
صفحہ ۱۳

(سید والید احمد برکاتی ٹونک)

(۲)

۲۲ راگست ۹۶ء کے "ہماری زبان" میں صفحہ ۸ کالم ۱ پر ڈاکٹر صفدر آہ کا یہ استفسار نظر سے گذرا کہ آیا ریاض الحسن صاحب نے لغت کو جو مونث لکھا ہے وہ محض سہواً ہے یا انھوں نے دانستہ ایسا کیا ہے ویسے اس کا جواب تو ریاض الحسن صاحب ہی دے سکتے ہیں مگر جہاں تک میرا خیال ہے اردو میں اس سلسلے میں دو مکاتب پائے جاتے ہیں۔ ایک مکتب لغت کو مذکر کہتا ہے اور ایک مونث خود ہمارے جنوبی ہند اور دکن میں بھی لغت کو عام طور پر مونث ہی کہا جاتا ہے۔ لیکن شاید ڈاکٹر صاحب موصوف جنوبی ہند یا دکن کی مثال کو قابل اعتبار نہ سمجھیں اس لیے عرض ہے کہ شمالی ہند میں بھی اکثر لوگ لغت کو مونث ہی کہتے ہیں۔ خود بابائے اردو مولوی عبدالحق نے لغت کو مونث لکھا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی شہرہ آفاق انگریزی اردو لغت کا دیباچہ دیکھا جا سکتا ہے

(رشید الدین حیدرآباد)

غالب سے منسوب ایک شعر کے بارے میں

دل آپ کا کہ دل میں جو کچھ ہے سب آپ کا ... دل لیجئے مگر مرے ارمان نکال کے

۲۲ راگست کے "ہماری زبان" میں جناب عرشی صاحب نے صاف طور سے واضح کر دیا ہے کہ یہ شعر غالب کا نہیں ہے۔

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط ... بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

یہ شعر بھی غالب کا نہیں ہے کیونکہ یہ شعر نہ "نسخۂ حمیدیہ" میں ہے نہ "شرح دیوان غالب" (از حسرت موہانی) میں صرف یہ شعر متفرق اشعار کے تحت دیوان غالب (عالی پبلشنگ ہاؤس ص ۲۳۱) میں ہے۔ یہ شعر کس کا ہے قارئین "ہماری زبان" اس کے متعلق کچھ لکھیں۔

زرم اکبر آبادی صاحب کا ایک شعر یوں ہے:

ایک تصویر کسی شوخ کی اور نامے چند ... گھر سے عاشق کے پس مرگ یہ ساماں نکلا

(سید انعام الحسن ناگر ادیب)

لہ دیوان غالب مرتبہ مالک رام مطبوعہ آزاد کتاب گھر دہلی کے صفحہ ۲۲۲ پر "فردیات" کے تحت بھی درج ہے (ادارہ "ہماری زبان")

لہ اردو میں لغت لغات کے معنی میں مذکر اور ڈکشنری کے معنی میں مونث ہے
لہ فرہنگ آصفیہ جلد چہارم صفحہ ۱۹۲ پر لغت کو اسم مذکر تحریر کیا گیا ہے۔
لہ یہ مصرع ناموزوں اور غلط ہے اصل مصرع یہ ہے
جو کچھ بنا کسی سے وہی چھوڑ ہیں یار۔
(ادارہ "ہماری زبان")

اردو کو بہار ریاست میں علاقائی و ثانوی سرکاری زبان تسلیم کیا جائے

بہار ریاستی اردو کانفرنس کا مطالبہ

پٹنہ (انجمن اسلامیہ ہال) ۱۰، ۱۱ ستمبر ۷۶ء کو یہاں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی دو روزہ تاریخی کانفرنس ہوئی جس میں ریاست کے دور دراز مقامات سے آئے ہوئے ہزاروں ہزار اردو زبان کے اجان نثاروں نے شرکت کی۔ ایک اندازہ کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ حاضرین کی تعداد بیس ہزار سے کم نہ تھی۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی تمام شاخوں سے ساڑھے تین سو ڈیلیگیٹوں نے شرکت کی جن میں پٹنہ کے بعد گیا شاخ سے شرکت کرنے والے نمائندوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔

۱۰ ستمبر ۷۶ء کو سات بجے شام میں افتتاحی جلسہ ہوا جس کی صدارت جناب شیو پرشاد سنہا سابق جج الہ آباد ہائی کورٹ نے کی۔

محترمہ لیڈی انیس امام صاحبہ نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا۔

محترمہ لیڈی انیس امام صاحبہ نے معزز مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے اپنے خطبے میں کہا کہ "دنیا کی کوئی قوم صحیح معنوں میں ترقی نہیں کر سکتی تا وقتیکہ اس کے باشندوں کا ذریعہ تعلیم مادری زبان نہ ہو۔ اردو کی بقا کا انحصار محبان و ہمدردان اردو پر ہے۔ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگوں کو پڑھنے لکھنے کی ترغیب دی جائے۔ کوئی بھی زبان زندہ جبھی رہ سکتی ہے جب کثرت سے اس کا استعمال ہو۔ اردو زندہ ہے اور انشاءاللہ زندہ رہے گی۔"

انھوں نے اپنے خطبۂ استقبالیہ کے آخر میں کہا۔ بہار کے اردو دوستوں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ وہ قانونی طور پر اردو کو بہار کی ثانوی سرکاری زبان بنا کر دم لیں گے۔ ایوان ہائے قانون ساز میں بہار آفیشیل لینگویجز ایکٹ میں ترمیم کر کے سات مخصوص کاموں کے لیے اردو کو ریاست بہار کی ثانوی سرکاری زبان قرار دے دیا جائے۔ آج سے دس سال پہلے ہم نے دس لاکھ دستخطوں کے ساتھ یہی مطالبہ کیا تھا۔ آج بھی ہمارا یہی مطالبہ ہے۔ بس ہم اس سے ذرہ برابر زیادہ نہیں چاہیے۔ یہ سہولتیں تو ہمیں غلام ہندوستان میں فرنگی حاکموں نے بھی دے رکھی تھیں۔ ہاں میں یہ واضح کر دوں کہ ہم اس سے ذرہ برابر کم لینے پر بھی کسی صورت میں آمادہ نہیں؟

اردو کانفرنس کے اس افتتاحی جلسے سے بہار ریاستی کانگرس کمیٹی کے جنرل سکریٹری جناب رام بلاس شرما، ایس۔ ایس۔ پی اور متحدہ محاذ کے صدر جناب راما نند تیواری، دائیں بازو کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر جناب سنیل مکرجی، بائیں بازو کمیونسٹ کے لیڈر جناب ستیہ نارائن داس اور ایس۔ ایس۔ پی کے شری بھولا پرشاد سنگھ نے بھی خطاب کیا۔

آخر میں جناب شیو پرشاد سنہا صاحب نے اپنی صدارتی تقریر کی انھوں نے کہا۔ "اگر ہم ذرا بھی بہ نظر غائر اور تعصب سے بلند ہو کر سوچیں تو ہم کو صاف نظر آئے گا کہ اردو درحقیقت اس ملک کے دو بڑے فرقوں کے باہمی اتفاق و اتحاد کی تصویر اور یگانگت اور رواداری کی ایک معجز نما صورت ہے اس کا وجود ملک کے دو بڑے فرقوں کے باہمی بھائی چارہ کے خیال کا رہین منت ہے اس کی ابتدا ہی ضروریات وقت کے تقاضوں کے تحت ہوئی ہے اور ہندو مسلم دونوں اس کی بدولت شیر و شکر ہو کر رہے ہیں چنانچہ دونوں فرقوں نے اس کی ترویج میں مساوی خدمات انجام دی ہیں اب اگر اس کو نظر انداز کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اب تک کی متفقہ کوششوں سے جو باہمی اتحاد کے متعلق ہمارے اسلاف نے انجام دی ہیں۔ ہم ان سے صریح انحراف کر رہے ہیں۔"

جناب صدر نے اپنے طویل خطبۂ صدارت میں اردو کی جانب پر امید خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے کہا: "میرا اپنا یقین تو یہ ہے کہ وہ دن جلد یا بہ دیر ضرور آئے گا کہ جب اردو کو اس کا صحیح مقام حاصل ہو کر رہے گا اور آپ لوگوں کی کوششیں بار آور ثابت ہوں گی۔ میں آپ سے ملتجی ہوں کہ اس وقت تک آپ صاحبان اپنی کوششیں برابر جاری رکھیں اور اردو کی بقا کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں کیونکہ قدرت کا قانون یہی ہے کہ دنیا میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے سے کسی کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

اس افتتاحی جلسہ میں حاضرین کا کافی جوش و خروش پایا جاتا تھا جس کا مظاہرہ بار بار تقریروں پر تالیاں بجانے سے ہو رہا تھا۔

۱۱ ستمبر کو ۹ بجے ڈیلیگیٹس سیشن ہوا جس میں غلام سرور صاحب کی پیش کردہ مندرجہ ذیل تجویز پاس ہوئی۔

"ہندوستان کے قومی مسائل میں ایک بہت بڑا اور نہایت دشوار مسئلہ زبان کا رہا ہے۔ گرچہ اصلاً اس کا تعلق خالص تہذیبی دائرے سے ہے لیکن ہندوستان کے مخصوص اجتماعی احوال کے تحت، زبان کے اس مسئلے نے ماضی قریب میں بڑی خطرناک سیاسی پیچیدگیاں پیدا کی ہیں۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ بعض مواقع پر اس لسانی بنیاد ہی نے حیرت انگیز قومی تفرقوں کو جنم دیا ہے۔ تحریک آزادی کے زمانے میں یہ زبان ہی کا مسئلہ تھا جس نے ہندوستانیوں کے دلوں کو بانٹ دیا، اور آزادی کے بعد بھی یہ زبان ہی کا مسئلہ تھا جس نے ملک کو مختلف لسانی خطوں میں تقسیم کر دیا، اور آج بھی یہ زبان ہی کا مسئلہ ہے جس کے سبب ہمارا ملک ایک ایسی کل ہند زبان سے محروم ہے جو تمام ہندوستانیوں کے دل کی آواز ہو اور جس کے ذریعے ہماری تہذیب اور تعلیم پروان چڑھے۔ ہم دیانت داری سے سمجھتے ہیں کہ یہ سارے مسائل اور پیچیدگیاں صرف اس لیے ہیں کہ اس ملک میں آزادی کے تقریباً انیس برسوں بعد بھی اب تک لسانی مسئلے کو حقیقت پسندی کے ساتھ حل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

اس موقعے پر ہم اس تاریخی حقیقت کو یاد دلانا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ تحریک آزادی کے زمانے میں مہاتما گاندھی نے اس ملک کے لسانی مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک بہت ہی حقیقت پسندانہ

اور قوم پرور رہنماؤں نے فیصلہ کیا تھا چنانچہ اسی عظیم آباد میں ۱۹۳۸ء میں مولوی عبدالحق اور راجندر پرشاد کے ذریعے پوری قوم نے طے کر دیا تھا کہ آزاد ہندوستان کی قومی زبان "ہندوستانی بخط دیوناگری و فارسی" ہوگی لیکن ۱۹۵۰ء میں نافذ ہونے والے دستور نے تنہا ہندی بخط دیوناگری کو ملک کی واحد سرکاری زبان مان لیا، یہ اردو کے ساتھ پہلی اور بنیادی حق تلفی ہوئی۔ بہرحال، دستور ساز اسمبلی کے فیصلے کے بعد اردو والوں نے کشادہ دلی کے ساتھ ہندی کو سرکاری زبان تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد ان کو بجا طور پر توقع رہی کہ اردو کو کم از کم اس کے اپنے حقوق تو ضرور دے جائیں گے لیکن افسوس کہ اس ملک میں اردو کے حقیقی مقام اور اس کے جائز حقوق کو بالکل نظرانداز کر کے ریاست اور سماج کے تمام اداروں سے اردو کو نیست و نابود کرنے کی پیہم اور منظم کوششیں شروع ہو گئیں۔

چنانچہ سب سے پہلی بار ۲۲ جنوری ۱۹۵۶ء کو بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے زیر قیادت بہار میں دس لاکھ اردو والوں کے دستخط جمع کر کے صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں ایک باضابطہ وفد کے ساتھ ایک میمورنڈم پیش کیا گیا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کی رو سے اردو کو بہار کی علاقائی زبان تسلیم کر کے مخصوص مقاصد کے لیے اس کے استعمال کا حکم دیا جائے لیکن یہ آواز بار بار کی یاد دہانیوں کے باوجود صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ اس کے بعد نومبر ۵۷ء میں پٹنہ میں منعقد ہونے والی ریاستی اردو کانفرنس نے حکومت سے پھر مطالبہ کیا کہ مذکورہ دفعہ کے تحت مشتہرہ علاقوں میں اردو کو متعین مقاصد کے لیے علاقائی و سرکاری زبان قرار دیا جائے۔ نومبر ۶۰ء میں مظفرپور میں منعقد ہونے والی ریاستی اردو کانفرنس نے مطالبہ کیا کہ حکومت بہار دستور کی دفعہ ۳۴۵ کے تحت بہار اسٹیٹ آفیشل لنگویجز ایکٹ میں ترمیم کر کے اردو کو بہار کی ثانوی سرکاری زبان قرار دیے جانے کا اعلان کر دے۔ جنوری ۶۲ء میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کا ایک وفد وزیر اعلیٰ بہار سے ملا اور اس موقع پر انھیں ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں اردو کو بہار میں علاقائی و ثانوی سرکاری زبان قرار دیے جانے کے پرانے مطالبے کو دہرایا گیا۔

مارچ ۱۹۶۵ء میں وزیر اعلیٰ بہار کو ایک میمورنڈم اس گذارش کے ساتھ پیش کیا گیا کہ وہ اس کو دلی میں ہونے والی وزرائے اعلیٰ کانفرنس میں اپنی طرف سے پیش کر دیں۔ اپریل ۱۹۶۵ء کے بہار اسٹیٹ اردو کنونشن منعقدہ پٹنہ ہو یا بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے اس قدیم مطالبے کو شدت کے ساتھ دہرایا کہ اردو کو قانونی طور پر بہار کی علاقائی و ثانوی سرکاری زبان تسلیم کیا جائے۔ اپریل ۱۹۶۶ء میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ و مجلس منتظمہ کے مشترکہ جلسے نے بہار میں اردو کے حقوق منوانے کی خاطر ہر طرح کے جمہوری اقدامات کرنے کے لیے ایک ایکشن کمیٹی کی تشکیل کی۔ اس ایکشن کمیٹی نے بہار اسٹیٹ اردو کنونشن منعقدہ اپریل ۱۹۶۵ء کی تجویز کے مطابق منصوبہ بنایا کہ بہار میں اردو کو علاقائی و ثانوی سرکاری زبان منوانے کے لیے ایک تدریجی ترتیب کے ساتھ سب سے پہلے حکومت بہار اور حکومت ہند سے آخری بار قطعی گفتگو کر لی جائے اس کے بعد پوری ریاست میں یوم اردو منا کر اسمبلی کے سامنے عوامی مظاہرہ، بھوک ہڑتال اور ستیہ گرہ کی تیاریاں کی جائیں اور آخر میں اردو کے مسئلے کو آئندہ الکشن کا اشو بنا دیا جائے۔ چنانچہ پہلے مرحلے پر جون ۱۹۶۶ء میں وزیر اعلیٰ بہار سے ایک وفد نے ملاقات کر کے ان کی خدمت میں ایک میمورنڈم پیش کر دیا۔ وزیر اعلیٰ کی طرف سے جواب میں کافی تاخیر ہو گئی تو وزیر اعظم سے ملاقات کے لیے درخواست کی گئی۔ لیکن وزیر اعظم نے وقت دینے سے انکار کر دیا اور وزیر اعلیٰ نے اب تک کوئی جواب نہیں دیا ہے۔ اس اثنا میں گوپال گنج، سیوان اور گڈیپہ کی ضلعی و علاقائی کانفرنسوں میں اردو کا بنیادی مطالبہ پیہم دہرایا جاتا رہا۔

اس پس منظر اور فضا میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی یہ کانفرنس بالکل آخری بار حکومت ہند سے قطعی مطالبہ کرتی ہے کہ وہ بلا تاخیر دستور کی دفعہ ۳۴۵ کے تحت بہار اسٹیٹ آفیشل لنگویجز ایکٹ میں ترمیم کر کے اردو کو بہار کی علاقائی و ثانوی سرکاری زبان قانونی طور پر تسلیم کر لیے جانے کا اعلان کر دے۔ اور نیز یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ اپنا مذکورہ بنیادی و اصلی مطالبہ منوانے کے لیے بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کو اگر حکومت سے ۲ اکتوبر تک قطعی جواب نہ ملے تو وہ سب کچھ کرنے جا رہی ہے جس کا عزم اس نے اپریل ۱۹۶۵ء کے بہار اسٹیٹ اردو کنونشن میں کیا تھا اور جس کی تفصیل اس کی بنائی ہوئی ایکشن کمیٹی نے کر دی ہے یعنی پیچ کے حربوں کی ناکامی کے بعد بہار ریاستی انجمن ترقی اردو، اردو کے مسئلے کو بہار میں جنرل الکشن کا موضوع بنائے گی۔ اس سلسلے میں یہ اجلاس قطعی طور پر واضح کر دینا ہے کہ ہمارا اصلی مطالبہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ اردو کو آئینی و قانونی طور پر بہار کی علاقائی و ثانوی سرکاری زبان قرار دیا جائے اس سے کم درجے کی کوئی بھی مراعات ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہوگی۔"

(بحوالہ آدرش، گیا)

انتخاب ممبران کونسل بہار ریاستی انجمن ترقی اردو

پٹنہ ۳۰ ستمبر۔ بہار اسٹیٹ اردو کانفرنس کے دوسرے روز ۱۱ ستمبر ۱۹۶۶ء کو ڈھائی بجے دن میں جناب نثار احمد خاں ایڈوکیٹ کی صدارت میں کانفرنس کے ڈیلیگیٹوں کی انتخابی نشست ہوئی۔ اس نشست میں کل ۲۵۰ ڈیلیگیٹوں نے شرکت فرمائی۔

نشست میں انجمن کا دستور پڑھ کر سنایا گیا اور اس کی رو سے بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی کاؤنسل کے ۵۰ ممبران کے انتخاب کی کارروائی شروع ہوئی۔ جناب غلام سرور نے ایک فہرست پیش کی جس میں بائیس نامور مقتدر شخصیتوں کے نام تھے اور باقی ۲۸ ممبروں کو ڈیلیگیٹ حضرات اپنی اپنی شاخوں کے ڈیلیگیٹوں کی تعداد پر ہر چار ڈیلیگیٹ پر ایک کاؤنسل کے ممبر کے حساب سے تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز کی تائید نواب سید غضنفر نواب دانش عظیم آبادی نے کی اور جناب سید شاہ محمد حبیب سابق ایم۔ پی۔ و سید نظیر حیدر ایم۔ ایل۔ سی نے تائید مزید کی۔

جناب سید اشتہ علی ایڈوکیٹ نے ۵۵ ناموں کی ایک فہرست پیش کی جس کی تائید جناب انور رشیدی ایڈیٹر ہفتہ وار روشنی نے کی۔ بعد ازاں کر

تجویز بھاری اکثریت سے مسترد کردی گئی اور جناب صدر نے اس کے نامنظور ہونے کا اعلان فرما دیا۔ تب جناب غلام سرور کی تجویز بھاری اکثریت سے منظور کر لی گئی۔ اس کے بعد نصف گھنٹہ کے لیے نشست ملتوی کردی گئی اس دوران میں ہر شاخ کے ڈیلی گیٹوں نے متفقہ فیصلے کرکے اپنی اپنی شاخ کی جانب سے ممبران کاونسل کے نام داخل کردیے جس کی بنیاد پر جناب غلام سرور نے ۷۵ ممبران کی پوری فہرست پیش کردی جو منظور کی گئی۔

منتخب ممبران کاونسل کی نشست انجمن اسلامیہ ہال کے بند کمرے میں ہوئی۔ ۷۱ ممبران کاونسل اس نشست میں موجود تھے۔ صرف چار ممبران بعض مجبوریوں کے پیش نظر تشریف نہ لا سکے۔ اس جلسے کی صدارت کے لیے جناب غلام سرور نے جناب نثار احمد خاں ایڈوکیٹ کا نام پیش کیا اور جناب ہارون رشید ایڈیٹر امروز ہند نے اس کی تائید کی پھر انتخاب عمل میں آیا۔ صدر، نائب صدر اور جنرل سکریٹری کے عہدوں کے لیے کئی کئی نام پیش ہوئے مگر باقی تمام نام واپس لے لئے گئے اور بہ اتفاق آرا جناب غلام سرور، صدر، نواب سید غضنفر نواب دانش، محترمہ عزیز فخمی امام، جناب ڈاکٹر محمد شفیع ایم۔بی۔بی۔ایس نائبین صدر اور جناب ثاقب صدیقی جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔ تمام ممبران نے تالیوں کی گونج میں نئے عہدیداروں کا خیر مقدم کیا ان منتخب حضرات کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ خازن، سکریٹریز اور ممبران مجلس عاملہ کو نامزد کریں۔ آخر میں صدر منتخب کی تقریر ہوئی۔ صدر جلسہ جناب نثار احمد خاں نے اپنی تقریر میں مبارکباد کے ساتھ ساتھ نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

(محمد ضمان اللہ ندیم آفس سکریٹری)

ریاستی شاخ اتر پردیش کی مجلس عاملہ اور کونسل کا جلسہ

انجمن ترقی اردو یو۔پی کی مجلس عاملہ اور کونسل کا جلسہ زیر صدارت پنڈت آنند نرائن ملا صدر انجمن سنٹرل ہوٹل امین آباد میں ۳۱ جولائی ۱۹۶۶ء کو منعقد ہوا جلسہ میں مختلف اضلاع کے نمائندوں اور ریاستی انجمن کے ممبران نے شرکت کی۔ اردو کی موجودہ پوزیشن اور دقتوں پر تمام حضرات نے اپنے خیالات ظاہر کیے۔ خاص طور پر اردو کی تعلیم کے سلسلہ میں مشکلات پر غور کیا گیا اور مرکزی انجمن سے حسب ذیل درخواست کی گئی۔

"انجمن ترقی اردو یو۔پی کے پاس یہ شکایات آتی رہتی ہیں کہ متعدد تعلیمی اداروں بیسک اسکولوں سے لے کر ڈگری کالجوں تک اردو طلبہ کی کافی تعداد ہونے کے باوجود اردو تعلیم کا انتظام نہیں کیا جاتا اس لیے صوبہ اتر پردیش کی مجلس عاملہ مرکزی انجمن سے پرزور سفارش کرتی ہے کہ انتظام ہونے تک یو۔پی کی تعلیمی شکایتوں کو دور کرنے کے لیے مرکزی انجمن اپنی جانب سے صدر ریاستی انجمن کو خصوصی اختیار دے کہ وہ مندرجہ بالا کام کے لیے مرکزی نمائندے کی حیثیت سے حکومت یو۔پی کے ذمہ داروں سے گفت و شنید کرکے آئندہ شکایتوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

ایک تجویز کے ذریعے مرکزی انجمن ترقی اردو سے درخواست کی گئی کہ وہ جلد از جلد کل ہند انجمن ترقی اردو کا اجلاس حسب فیصلہ بجے پور کانفرنس بہار، پنجاب، یا کسی اور ریاست میں بلوائے۔

(ڈاکٹر مختار احمد سکریٹری ریاستی انجمن ترقی اردو دکھنی)

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ گیا کی ورکنگ کمیٹی کے نامزد ممبران

۱۔ جناب غلام حیدری صاحب (صدر)، ۲۔ جناب محمد سعد اللہ صاحب (نائب صدر)، ۳۔ جناب حافظ مسعود صاحب (جنرل سکریٹری)، ۴۔ جناب معین شاہد صاحب (سکریٹری)، ۵۔ جناب ضیاء الدین صاحب (جوائنٹ سکریٹری)، ۶۔ جناب عاشق ملک صاحب (خزانچی)، ۷۔ جناب حاجی زین الدین صاحب، ۸۔ شری راشٹ بالیشوری پرساد صاحب، ۹۔ جناب نظام الدین صاحب، ۱۰۔ جناب ادیب منہاجوی صاحب، ۱۱۔ جناب پروفیسر علیم اللہ حالی صاحب، ۱۲۔ جناب حبیب الرحمن صاحب، ۱۳۔ جناب سید نجم الظفر صاحب، ۱۴۔ جناب نور خاں صاحب، ۱۵۔ جناب مولانا فاروق الحسینی صاحب۔

(معین شاہد)

راجستھان میں اردو کے لیے جدوجہد

معلوم ہوا ہے کہ لسانی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے جو ایک کمیٹی گورنمنٹ راجستھان نے مقرر کی ہے۔ اس کی دوسری میٹنگ آج ۲ ستمبر ۶۶ء کو بوقت ۳ بجے دن چیف سکریٹری صاحب راجستھان کے آفس روم میں منعقد ہوئی۔

حسب ذیل حضرات نے شرکت کی۔

(۱) چیف سکریٹری صاحب راجستھان　صدر
(۲) ایجوکیشنل سکریٹری صاحب راجستھان
(۳) خان بہادر اللطاف احمد صاحب خیری آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی۔
(۴) مولوی احترام الدین احمد صاحب شاغل جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان۔
} ممبران
(۵) ڈائرکٹر صاحب بھاشا وبھاگ راجستھان
(۶) ڈپٹی ڈائرکٹر صاحب " " " "
(۷) سکریٹری صاحب سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ راجستھان

دریافت ہوا ہے کہ اس میٹنگ میں متعدد مفید فیصلے کیے گئے جن میں سے بعض یہ ہیں:

(الف) شکایت کی گئی کہ اردو میں جو کورس کی کتابیں درجہ سوم سے درجہ پنجم تک چھپی ہیں ان میں بہت زیادہ املا، انشا اور طباعت کی غلطیاں ہیں۔ قرار پایا کہ سکریٹری صاحب بورڈ اس بابت

تحریری جواب جلد تر بھیجیں۔

(ب) گذشتہ میٹنگ میں جو ایک گوشوارہ انجمن کی جانب سے ایسے اسکولوں کا پیش کیا گیا تھا کہ جہاں تعداد طلبہ پوری ہے اور پھر بھی اردو کی تعلیم جاری نہیں کی گئی اس کی بابت ایجوکیشن سکریٹری صاحب نے کہا کہ ان کی بابت معلومات کرلی گئی ہے۔ جہاں جہاں شرط پوری ہوتی تھی وہاں اردو کی تعلیم جاری ہے نمائندہ انجمن نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور چند تازہ مثالیں۔ چورو۔ کوٹہ۔ ٹونک اور بانسی وغیرہ کی پیش کیں۔ کافی بحث مباحثہ کے بعد قرار پایا کہ:

(۱) انجمن ایسے اسکولوں کی۔ ایک تازہ فہرست پیش کرے کہ جہاں بموجب احکام گورنمنٹ مقررہ تعداد طلبہ۔ اب بھی تعلیم اردو جاری نہیں ہے۔ خواہ پرائمری اسکول ہوں یا مڈل اسکول یا سکنڈری اسکول یا ہائر سکنڈری اسکول۔

(۲) قرار پایا کہ ہر تعلیمی سال کے آغاز میں تین ماہ کے اندر انسپکٹر صاحبان حلقہ افسران متعلقہ کو رپورٹ کیا کریں کہ جہاں جہاں اردو کے طلبہ کی تعداد پوری ہے وہاں اردو کی تعلیم کا انتظام کر دیا گیا ہے۔

(۳) منجانب نمائندہ انجمن کے شکایت کئے جانے پر طے ہوا کہ اردو کے تمام طلبہ کو کلاس وار ایک ہی سیکشن میں رکھا جائے جدا جدا سیکشنوں میں نہ بانٹا جائے اور یہ عذر نہ کیا جائے کہ کسی بھی سیکشن میں دس طالب علم نہیں ہیں۔

(۴) قرار پایا کہ انجمن ترقی اردو راجستھان کے مقامی نمائندے تعلیمی مشکلات مقامی افسران تعلیم سے اول رجوع کیا کریں۔

(۵) قرار پایا کہ اردو کے سینئر ٹیچر جہاں جہاں ضرورت ہو مقرر کئے جائیں اور اس کی بابت معلومات کی جا کر عملی قدم اٹھائے جائیں۔

(۶) جہاں جہاں اردو کے ٹیچر نہیں ہیں وہاں مقرر ہونے چاہئیں۔

(ج) اردو کی کتابوں کی اسکولوں کی لائبریریوں میں خریداری کی بابت قرار پایا کہ مزید احکام اس بابت جاری کئے جائیں۔

(د) منجانب ایجوکیشنل سکریٹری صاحب شکایت کی گئی کہ اردو کی کورس کی کتابیں فروخت نہیں ہوتیں۔ بہت ہی کم اب تک بکی ہیں۔ نمائندہ انجمن نے جواب دیا کہ اس کی بڑی وجہ ان کا غلط چھپنا ہے۔ اور کچھ اور بھی وجوہ ہیں جو دور ہو سکتے ہیں۔

(ہ) راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی اودے پور کی بابت کہا گیا کہ چیف منسٹر صاحب راجستھان کے اعلان کے باوجود تین سال میں اس نے کوئی بھی کتاب اردو کی اردو رسم خط میں شائع نہیں کی۔ جواب دیا گیا کہ ہندی رسم خط میں اس نے اردو کی کتاب مرتبہ پروفیسر پریم شنکر سری واستو شائع کی ہے۔ نمائندہ انجمن نے کہا کہ ہندی رسم خط میں اردو کی کوئی کتاب شائع کرنا اردو کی ہرگز کوئی خدمت نہیں ہے بلکہ یہ ہندی کی خدمت ہے۔ اس نے بہت زور کے ساتھ یہ دلیل پیش کی کہ اگر دوسرے رسم خط میں کسی زبان کی کتاب شائع کرنا اس کی خدمت ہوتی تو یا ضرور ہندی کی کتاب اردو رسم خط میں چھاپی جاتی جس کی کوئی ایک مثال بھی نہیں ہے پھر اردو کو ہندی رسم خط میں چھاپنا اردو کی خدمت کیونکر ہو سکتی ہے یہ صرف ہندی کی خدمت ہے کہ اردو کے سرمایہ سے ہندی کا خزانہ پر کیا جا رہا ہے۔

نیر جی صاحب نے دستور ہند کی دفعہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اسکرپٹ (رسم خط) کے تحفظ کا ذمہ بھی دستور نے لیا ہے۔ اردو کی کتاب اردو رسم خط میں چھپنے پر ہی اس کو اردو کی کتاب کہا جائے گا۔ آدھے گھنٹے چلنے کے بعد یہ میٹنگ ختم ہوئی۔ • نامہ نگار •

انجمن ترقی اردو شاخ کوٹہ کا خط بنام جنرل سکریٹری انجمن راجستھان

(ریاستی انجمن ترقی اردو راجستھان کے ایک گشتی مراسلے کے جواب میں شاخ کوٹہ کے سکریٹری کوٹہ میں اردو کے سلسلے میں جو خط لکھا ہے اس کا اقتباس درج ذیل ہے۔ (ادارہ "ہماری زبان")

مہاتما گاندھی گورنمنٹ ہائر سکنڈری اسکول رام پورہ میں جماعت ششم سے یازدہم تک قریب ۴۵ طلبہ اردو پڑھ رہے ہیں اور جماعت نویں سے دسویں تک سہ لسانی فارمولہ میں قریب ۲۰ طلبہ اردو کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اسکول ہذا کو ہائر سکنڈری ہوئے پانچ سال ہو گئے ہیں اردو کے علاوہ دیگر سب مضامین کے سینئر ٹیچرس بھی ہیں۔ بلکہ بعض مضامین جیسے انگلش اور حساب وغیرہ میں تو ایڈیشنل سینئر ٹیچرس بھی ہیں۔ لیکن اردو میں کافی تعداد طلبہ ہوتے ہوئے بھی اور کئی مرتبہ محکمہ کو توجہ دلانے کے باوجود اردو میں سینئر ٹیچر کی پوسٹ اب تک منظور نہیں کی گئی۔ جس کی وجہ سے اردو کا قابل آدمی ان طلبہ کے لیے نہیں تھا۔ انجمن کی طرف سے توجہ دلائی جائے کہ جن اسکولوں میں گیارہویں جماعت میں اردو اختیاری مضمون کی حیثیت سے چل رہی ہے وہاں اردو کے سینئر ٹیچر مقرر کئے جائیں۔

گرلز ہائر سکنڈری اسکول رام پورہ میں پندرہ طالبات نے جماعت نہم میں اردو پڑھنے کی درخواست دی ہے اور مقامی انجمن اس کے لیے جدوجہد کر رہی ہے لیکن اب تک ڈائرکٹر صاحب کے یہاں سے منظوری نہیں آئی جب کہ حلقہ کھوئی سکنڈری اسکول میں اس حالت کا غذات چلائے گئے تھے جس کی منظوری آچکی ہے۔ دو سال سے برابر لڑکیوں کے اسکول میں کوشش کی جا رہی ہے لیکن اب تک اس اسکول کی منظوری نہ جانے کیوں نہیں دی گئی۔

طالبات پریشان ہیں کہ آٹھویں جماعت تک اردو پڑھتی رہیں اور نویں جماعت میں ان کو سنسکرت کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے، باوجود بار بار یاد دہانیوں کے اردو مدرسین کا تقرر نہیں کیا جاتا اور اردو ٹیچروں کے تبادلے ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ دوسرا اردو ٹیچر نہیں آتا مثلاً رام پورہ مڈل اسکول کے ٹیچر کا تبادلہ وغیرہ۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر شمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا